ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ابرار عبدالسلام ❁

عہدِ غالبؔ میں اردو تاریخ گوئی

Urdu Chronograms in the Era of Ghalib

By *Dr. Abrar Abdus Salam, Prof., Dept. of Urdu, Emerson University, Multan.*

ABSTRACT

The nineteenth century is important not only in terms of Urdu literature but also in terms of chronogramisms. In this era, literature and chronogramisms were flourishing in both South India and North India. But in northern India, the Urdu language in particular was exploiting its creative potential. It would not be inappropriate to consider Ghalib as the representative writer of this era and to attribute this era to Ghalib. Although Ghalib did not play a significant role in the art of chronogramisms, but by composing chronogramms in Urdu and Persian, he has definitely kept his connection with this tradition. This is the social need of this age as well as the literary and creative need. This period can be called the golden age of Urdu chronogramisms. This article discusses the golden age of Urdu chronogramisms.

Keywords: Chronogramisms, Ghalib, Period of Ghalib, Momin, Nasikh, Rashk, chronogram, chronogramisms, Creater of chronogramms, chronogram's name, Printing press.

تاریخ گوئی کے فن کو انسانی یادداشت کے ساتھ ایک عجیب نسبت ہے، انسان نہ صرف اپنی زندگی کے لمحاتِ گریزاں کے کوائف کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے بلکہ دوسروں کی زندگی کے اہم واقعات کی یادوں کی جمع آوری سے بھی اسے بے حد شغف رہا ہے، سو یہی وجہ ہے کہ سلسلۂ حیات وممات سے لے کر زندگی کے دیگر اہم دنوں کے حوالے سے شعر کہنے اور اسے سن و سال کے حوالے سے محفوظ رکھنے کی روایت بے حد قدیم ہے۔ مزید یہ کہ

❁ پروفیسر، شعبۂ اردو، ایمرسن یونی ورسٹی، ملتان۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

حروف، رنگوں اور دیگر فنون لطیفہ کے ذریعے تو تخلیق کاروں نے انسانی زندگی سے متعلق واقعات کو محفوظ بنایا ہی ہے۔ حروف کے پس منظر میں اعداد کے حوالے سے بھی زندگی کے لمحاتِ گریزاں کو محفوظ بنانا چاہتا رہا ہے۔ ان سب کے پس منظر میں انسانی زندگی کو امر کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کوشش تاریخ گوئی کی روایت میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اردو کو یہ روایت فارسی سے ملی۔

فارسی میں تاریخ گوئی کی تو ایک قدیم روایت موجود ہے لیکن اردو میں اس کے ابتدائی نقوش جنوبی ہند کی سرزمین میں دیکھنے میں آئے۔[۱] بیجاپور میں نصرتی وہ پہلا شاعر ہے جس نے اردو میں معنوی اور مکمل تاریخیں کہہ کر باقاعدہ تاریخ گوئی کی روایت کا آغاز کیا۔[۲] اورنگ زیب کی فتح دکن کے بعد جب شمال اور جنوب ایک ہی حکومت کے زیرِ نگیں آ گئے تو شمالی ہند میں بھی اردو شاعری اپنے ارتقائی مراحل طے کرنے لگی۔ سترھویں صدی عیسوی میں اردو شاعری کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اردو میں تاریخ گوئی کی روایت بھی فروغ پانے لگی۔ شمالی ہند میں اٹھارویں صدی عیسوی اردو شاعری کا زریں دور ہے۔ اس عہد میں ہر صنف سخن میں طبع آزمائی ہو رہی تھی لہٰذا تاریخ گوئی کی طرف بھی توجہ دی جانے لگی۔ چناں چہ شعرا شاعری کے ساتھ ساتھ تاریخیں بھی کہتے نظر آتے ہیں۔ کوئی واقعہ رونما ہو یا کسی کی ولادت یا وفات ہو، کوئی دیوان تکمیل پائے یا کوئی شعری صنف معرض تخلیق میں آئے، شعرا اس کی تاریخیں کہتے۔ اس عہد کے قابل ذکر تاریخ گو شعرا کی تلاش کی جائے تو ان میں تاباں، سودا، قائم، میر محمد محسن، جعفر علی خان حسرت، محبت خان محبت، فخر الدین ماہر اور مائل وغیرہ اہم نام نظر آتے ہیں۔ اس صدی میں معنوی تاریخیں کہنے کا رواج ہو چکا تھا[۳] لیکن اس میں ابھی وہ وسعت اور رنگا رنگی نہیں آئی تھی جو بعد میں غالب کے عہد میں دیکھنے میں آتی ہے۔

اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں جن شعرا نے اردو تاریخ گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا، ان میں مصحفی، انشا، جرات اور رنگین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا نے ایک طرف اردو شاعری میں اپنی قادرالکلامی کا لوہا منوایا تو دوسری طرف نادر تاریخیں کہہ کر اس صدی کے ممتاز تاریخ گو شعرا میں شمار ہوئے۔ اگرچہ ان شعرا نے کثیر تعداد میں اردو تاریخیں تو نہیں کہیں لیکن عہد غالب میں اردو تاریخیں کہنے والوں کی ایک کثیر تعداد ان کے معاصرین اور ان کے سلسلۂ تلامذہ کی نظر آتی ہے۔ عہد غالب میں جن اردو تاریخ گو شعرا نے مقبولیت حاصل کی ان میں مومن، مجروح، حاتم علی بیگ مہر، قربان علی بیگ سالک، عبدالغفور خان نساخ، قدر بلگرامی، منیر شکوہ آبادی، ظہور دہلوی، مظفر علی اسیر، منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی، جویا مراد آبادی، ضامن علی جلال، امیر اللہ تسلیم اور امیر مینائی قابل ذکر شعرا ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عہد غالب میں ایک طرف شاعری میں صنائع بدائع کو نت نئے طریقوں سے برتنے کا رواج عام ہوا تو دوسری طرف تاریخ گوئی کے فن نے بھی خاصی مقبولیت حاصل کی۔ شاعری میں صنعتوں کے بے محابا استعمال اور تاریخ گوئی کے محیر العقول نمونوں کی تلاش دہلی کے مقابلے میں لکھنؤ میں زیادہ دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ دہلی میں اردو زبان ابھی اپنے ارتقائی مراحل طے کر رہی تھی بلکہ اس کی وجہ وہ معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالات تھے جو دہلی میں موجود نہیں رہے تھے۔ دہلی کے دگرگوں اقتصادی حالات اور زوال آمادہ تہذیبی قدروں کی وجہ سے دہلوی شاعری میں صنعت گری کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔ اس کے مقابلے میں لکھنؤ میں اقتصادی حالات بھی بہتر تھے اور شعرا کو دربار اور امرا کی سرپرستی بھی حاصل تھی، اس وجہ سے لکھنؤ میں دہلی کی نسبت تاریخ گوئی نے زیادہ فروغ پایا۔

اس عہد میں اردو تاریخ گوئی کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ شعرا نے شاعری کی تقریباً ہر مروج صنف، ہیئت اور بحر میں تاریخیں کہیں۔ تاریخ گوئی کے نت نئے نمونے سامنے آئے۔ چناں چہ تاریخ گو شعرا کا ایک جم غفیر شمالی ہند کی سرزمین میں اپنے فن کا مظاہر کرتا اور شمالی ہند کے بڑے ادبی مراکز میں اپنی نادرہ کاریوں کے نمونے ثبت کرنے میں منہمک نظر آتا ہے۔ شمالی ہند میں اس عہد میں جس کثرت میں اردو تاریخ گو شعرا ہم دست ہوتے ہیں اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں کسی عہد اور کسی علاقے میں دیکھنے میں نہیں آتے اور نہ اس صدی کے بعد کوئی ایسی مثال نظر آتی ہے۔ اٹھارویں صدی ہجری تک شعرا بالعموم بادشاہوں، نوابوں اور استاد شعرا کی تاریخ پیدائش و وفات اور اہم واقعات کی تاریخیں کہتے رہے لیکن انیسویں صدی یعنی غالب کے عہد میں تاریخ گو شعرا اہم اور غیر اہم، معمولی اور غیر معمولی معاشرتی واقعات، شخصیات، تصنیفات، تخلیقات اور عمارات وغیرہ کی تاریخیں بھی کہتے نظر آتے ہیں۔ اس عہد میں شعرا کو تاریخ گوئی کا ایسا چسکا پڑا کہ بات بات پر تاریخیں کہتے اور اپنے مشاقِ فن کا ثبوت دیتے۔

عہدِ غالب میں شمالی ہند میں ایک بڑی تعداد میں لیتھو پریس کے قائم ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد میں کتابیں شائع ہونے لگی تھیں۔ کتابوں بالخصوص دواوین کی اشاعت سے قبل تاریخیں کہہ کر یا کہلوا کر کتاب یا دیوان میں شامل کی جاتیں اور پھر ان کی طباعت عمل میں آتی۔ تاریخ اس عہد میں ایک ایسا لازمہ بن گئی تھی جس کے بغیر کوئی بھی کتاب نامکمل سمجھی جاتی تھی۔ شعرا اپنے دوست احباب کو تصنیف کی تکمیل کی خبر دیتے تو ان سے تاریخ کی فرمائش بھی کرتے۔ بہت سے دوست احباب تو بغیر کہے یہ فرضِ منصبی بجا لاتے۔ شاگردوں میں جو شاگرد شعرا تاریخیں کہنے پر قدرت رکھتے وہ اپنے استاد کا حق شاگردی ادا کرنے کے لیے تاریخیں کہتے۔ یہی وجہ ہے کہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہر استاد شاعر کے دیوان میں سب سے زیادہ تاریخیں ان کے شاگردوں کی ہی ہوتیں۔خواجہ وزیر وزیر کا دیوان ''دفتر فصاحت'' شائع ہوا تو اس میں خواجہ وزیر کے جن شاگردوں کی تاریخیں شامل ہیں ان میں خواجہ بادشاہ سفیر، میر امداد حسین نشتر، میر عباس عباس، شیخ بہادر علی ایجاد، شیخ قادر علی موجد، میرزا نظر علی خطا، مرزا اصغر علی بیگ فقیر، مولوی جلال الدین جلال، لالہ جواہر لعل جوہر، لالہ دھنپت رائے زار، میر محمد حسن حسن، خواجہ اسد قلق، سیّد محسن علی محسن، مرزا محمد رضا معجز، سید ہادی علی بیخود، میر محمدی سپہر اور میر انعام حسین مجنوں کے علاوہ ان کے شاگردوں اور خواجہ وزیر کے ہم عصر شعرا کی سو سے زائد تاریخیں شامل ہیں۔(۴)

جو شعرا خود تاریخیں کہنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے وہ تاریخ گو شعرا سے تاریخیں کہلواتے۔نول کشور پریس سے شائع ہونے والی تقریباً ہر کتاب میں تکمیل یا طباعت کی تاریخ ضرور شامل ہوتی۔یہ ادارہ طباعت کی تاریخیں مشہور شعرا سے کہلواتا تھا۔خود ادارہ میں ایسے شعرا موجود تھے جو تاریخ گوئی کے فن سے بھی بخوبی آگاہ تھے اور تاریخ کہنے کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتے تھے۔منشی امیر اللہ تسلیم جیسا تاریخ گو شاعر بھی کچھ عرصہ اس ادارے سے وابستہ رہا۔(۵)

اس عہد میں تصانیف کی طباعت، تکمیل یا آغاز وغیرہ کی تاریخیں تصنیف میں شامل ہونا ایک لازمہ بن گیا تھا۔عہد غالب میں تاریخ کا ہونا ایسی ناگزیر ضرورت بن گئی تھی جس کے بغیر کتاب کی اشاعت کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔'عود ہندی' چھپنے کیے بعد کچھ عرصہ بازار میں اس لیے نہ آسکی کہ اس کے لیے موزوں تاریخ فراہم نہ ہوسکی تھی۔ خواجہ غلام غوث بے خبر کو خبر ہوئی تو انھوں نے منشی ممتاز علی کو لکھا کہ قطعہ تاریخ ایسا فرض نہیں جس کے انتظار میں کتاب کی اشاعت کو روکا جاسکے۔(۶) بالخصوص دیوان میں تاریخوں کی زیادہ سے زیادہ جمع آوری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔کسی دیوان میں تاریخوں کی کثرت فخر و مباہات کا باعث بن گیا تھا۔اس دوڑ میں بہت سے شعرا شامل رہے۔شعرا اپنے دوست احباب، ہم عصر شعرا اور شاگردوں سے تاریخیں کہنے کی فرمائش کرتے اور خود بھی تاریخیں کہتے۔نواب اور امرا اپنے دواوین کی تاریخیں باکمال تاریخ گو شعرا سے کہلواتے۔بہت سے شعرا بذات خود نواب اور امرا کی خوشنودی کے حصول کے لیے تاریخیں کہتے اور ان کی خدمت میں نذر گزرانتے یا دور ہونے کی صورت میں کسی نہ کسی ذریعہ سے نواب کے حضور بھیجتے۔واجد علی شاہ اختر، نواب یوسف علی خان ناظم، نواب کلب علی خان اور راجا محمد امیر حسن سحر وغیرہ کے دواوین میں تاریخوں کا ایسا ہی انبار نظر آتا ہے۔(۷)

اس عہد میں تصانیف کی طباعت، تکمیل یا آغاز وغیرہ کی تاریخوں کی تصنیف میں شمولیت ایک ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔کتاب نثر کی ہو یا شاعری کی، قواعد سے متعلق ہو یا عروض سے، تاریخ سے متعلق ہو یا تنقید

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سے، حکمت سے متعلق ہو یا فلسفہ سے غرض کتاب کسی بھی موضوع اور صنف سے تعلق رکھتی ہو، تاریخ ضرور شامل کتاب کی جاتی۔ یہی نہیں دیوان میں تاریخوں کی زیادہ سے زیادہ جمع آوری کا رجحان کچھ اس طرح فروغ پا گیا تھا کہ بعض اوقات کتاب کی اہمیت پسِ پشت چلی جاتی۔(۸)

اس عہد میں شاعری اس درجہ مروج اور عام ہوگئی تھی کہ اعلیٰ سوسائیٹی میں داخل ہونے اور اس میں عزت و افتخار کا سب سے بڑا وسیلہ شاعری کا ہی نظر آتا ہے۔اس عہد میں شاعری کی مقبولیت کا اندازہ آزاد کی اس رائے سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''گھر گھر شاعری کا چرچا ہے جس امیر اور جس شریف کو دیکھو شعر کی سوچ میں غرق بیٹھا ہے۔''(۹) شاعری ذریعہ عزت تو تھی ہی، نوابین و امرا سے تقرب کا وسیلہ بھی تھی۔کسی شخص کے لیے شاعر ہونا افتخار کا باعث تو تھا ہی لیکن تاریخ گو شاعر ہونا اس سے بھی بڑے اعزاز کی بات تھی۔نظم طباطبائی مالک الدولہ صولت کے بارے میں لکھتے ہیں۔''مرحوم کو تاریخ کی بڑی مشق تھی۔ناسخ کے تتبع میں ان کے تمام شاگردوں نے تاریخ کو صنائع شعریہ میں شمار کیا تھا۔شاعر کا تاریخ گو ہونا لازم سمجھتے تھے۔۱۸۷۲ء میں مٹیا برج سے میں لکھنؤ آیا تو یہاں دیکھا کہ اکثر شاعروں نے اس کا التزام کر لیا ہے کہ ہر غزل کے مقطع میں تاریخ ضرور ہو۔انھیں دنوں میں ایک طرح ہوئی تھی 'جواب اچھی طرح، حساب اچھی طرح' میں اس مشاعرہ میں شریک تھا۔اپنے ایک مہربان حکیم مرزا فدا احمد صاحب دانش کا تاریخی مصرع جو حروف معجمہ میں ہے مجھے اب تک یاد ہے۔'مجتمع سب لوگ صحبت انتخاب اچھی طرح۔''(۱۰)

تاریخ گوئی کے رواج کے باعث کتابوں کے نام بھی تاریخی رکھے جاتے۔کتاب نظم کی ہو یا نثر کی، قواعد کی ہو یا عروض کی، تذکرہ ہو یا تاریخ، مثنوی ہو یا واسوخت، غرض کسی بھی صنف یا موضوع سے تعلق رکھتی ہو کتاب کا نام اکثر اوقات تاریخی رکھا جاتا۔بعض اوقات سرورق پر تصنیف کے دو نام ہوتے، ایک اصل اور دوسرا تاریخی، اور بعض اوقات ایک ہی تصنیف کے کئی نام رکھے جاتے اور کبھی کبھار سرورق کی تمام عبارتیں ہی تاریخی ہوتیں۔سید محمد جو یا مراد آبادی نے اپنی تصنیف 'سرود غیبی' کے سرورق کی تمام تحریر تاریخی لکھی۔ ناسخ کے تینوں دیوان، دیوان ناسخ (۱۲۳۲ھ) دفتر پریشان (۱۲۴۷ھ)، دفتر شعر (۱۲۵۴ھ)، منیر شکوہ آبادی کے تینوں دیوان، منتخب العالم (۱۲۶۴ھ)، تنویر الاشعار (۱۲۶۹ھ)، نظم منیر (۱۲۹۰ھ)، نواب کلب علی خان والیِ رام پور کے چاروں اردو دیوان، نشید خسروانی (۱۲۹۱ھ)، دستنبوے خاقانی (۱۲۹۴ھ)، درۃ الانتخاب (۱۲۹۴ھ)، توقیع سخن (۱۲۹۶ھ)، کے نام تاریخی ہیں۔اسی طرح تذکروں کے نام بھی تاریخی رکھے جاتے تھے۔میر قطب الدین باطن کے تذکرے نغمۂ عندلیب (۱۲۹۱ھ)، سرور کے تذکرے عمدہ منتخبہ (۱۲۶۱ھ)، قاسم کے تذکرے مجموعۂ نغز

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

(۱۲۲۱ھ)، مرزا قادر بخش صابر کے تذکرے گلستانِ سخن (۱۲۷۱ھ)، عبدالغفور خان نساخ کے تذکرے سخن شعرا (۱۲۸۱ھ) اور درگا پرشاد نادر کے تذکرے مرأتِ خیالی (۱۲۹۲ھ) کے نام بھی تاریخی ہیں۔(۱۱)

مثنویوں کے نام بھی تاریخی رکھے جاتے تھے۔ مومن کی مثنویوں، شکایت ستم (۱۲۳۱ھ)، قصہ غم (۱۲۳۵ھ)، قول غمیں (۱۲۳۶ھ)، تف آتشیں (۱۲۴۱ھ)، حنین مغموم (۱۲۴۴ھ)، اور آہ و زاریِ مظلوم (۱۲۴۶ھ)، واجد علی شاہ کی مثنوی حزن اختری (۱۲۷۶ھ)، منیر شکوہ آبادی کی مثنوی، معراج المضامین (۱۲۸۶ھ) کے نام بھی تاریخی ہیں۔ فنِ انشا، عروض، تاریخ گوئی، سفرنامہ یا کسی اور صنف سے متعلق تصنیف مکمل ہوتی تو ان کے نام بھی تاریخی رکھے جاتے۔ ریاض سندیلوی کا سفرنامہ سرود ریاض (۱۲۷۷ھ) غالب کے خطوط کا مجموعہ، مہر غالب (۱۲۷۸ھ)، منشی حسین علی فرحت کی تاریخی ناموں کی لغت، ام التواریخ (۱۲۸۹ھ)، فن تاریخ گوئی پر جویا مراد آبادی کی تصنیف سرود غیبی (۱۲۹۲ھ) واجد علی شاہ اختر کی عروض پر کتاب جوہر عروض (۱۲۹۰ھ)، اور ارشاد خاقانی (۱۲۶۸ھ)، منشی نول کشور کی لکھنؤ سے متعلق تاریخ، تواریخ نادر العصر (۱۸۶۳ئ)، مرزا اوج لکھنوی کی عروض، فنِ شعر اور تاریخ گوئی سے متعلق تصنیف ارمغان (۱۲۹۲ھ)، واجد علی شاہ اختر کی نظم و نثر کا مجموعہ ملک اختر (۱۲۹۱ھ)، سید محمد عنایت حسین متین سہارنپوری کے سلاموں، مخمسوں اور سراپا وغیرہ پر مشتمل مجموعہ شمع تعزیت (۱۲۹۷ھ) اور مرزا عنایت علی بیگ ماہ کے واسوخت کا مجموعہ داغ جگر ماہ (۱۲۷۴ھ) کے نام بھی تاریخی ہیں۔(۱۲)

تصانیف کے تاریخی ناموں کے ساتھ ساتھ افراد کے نام بھی تاریخی رکھے جاتے تھے۔ مظفر علی اسیر کا مظفر (۱۲۲۰ھ)، ظہور دہلوی کا ظہور علی (۱۲۲۱ھ)، غلام مولیٰ قلق کا محمد غلام مولیٰ (۱۲۴۹ھ) غلام حسنین قدر بلگرامی کا غلام حسنین (۱۲۴۹ھ)، مرزا خورشید عالم گورگانی کا خورشید عالم (۱۲۶۱ھ)، سیّد باقر حسن عرف اچھے صاحب کا شہرت حسین (۱۲۸۳ھ)، ابوالقاسم محمد شمس خلف الرشید نساخ کا مظہر الحق (۱۲۸۴ھ) محمد حسین آزاد کا ظہور اقبال (۱۲۴۵ھ) مرزا سخاوت علی فرزند حاتم علی بیگ مہر کا آغا بہرام (۱۲۵۰ھ)، نظیر حسین شائق اور منشی فضل حسین لکھنوی کا نظیر حسن (۱۲۷۸ھ)، منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی کا خورشید علی (۱۲۳۰ھ)، اور سیّد اقتدار احمد ساحر سہسوانی کا منظور علی (۱۳۰۶ھ) تاریخی نام ہے۔(۱۳)

عہدِ غالب میں ہر اس صنف سخن میں تاریخ کہی گئی جن میں اردو میں شاعری کی جارہی تھی۔ غزل، قصیدہ مرثیہ، سلام، مثنوی، سہرا وغیرہ اور مختلف شعری ہیتوں قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، مربع، مستزاد میں کہی گئی تاریخیں دواوین، تاریخی کتب اور تذکروں وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں۔ اس عہد میں تاریخ گوئی کا فن اتنا مقبول ہو چکا تھا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کہ اب کوئی صنف سخن اور شعری ہیئت تاریخ سے خالی نظر نہیں آتی۔شعرا غزل لکھتے تو مقطع تاریخی کہتے۔محسن لکھنوی نے حکیم سیّد ضامن علی شوق خلف میر علی اوسط رشک کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی ہر غزل کا مقطع تاریخی ہوتا ہے۔(۱۴)

مختلف اصناف سخن اور شعری ہیئتوں ہی میں تاریخیں نہیں کہی گئیں بلکہ شاعری میں نئی نئی صنعتوں میں تاریخ کہہ کر اپنی مشاقیِ فن کا ثبوت بھی دیا گیا۔ایسی ایسی صنعتوں میں تاریخ کہی گئیں جن کی مثالیں اس عہد سے قبل اردو اور فارسی میں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔اگرچہ فارسی شاعری میں شعرا نے حیرت انگیز جدت طرازیوں کے ساتھ نئی نئی صنعتوں میں تاریخیں کہی ہیں لیکن اردو تاریخ گو شعرا فارسی تاریخ گو شعرا سے ایک قدم آگے بڑھ گئے۔ایسی ایسی محیرالعقول تاریخیں کہی گئیں جنھیں دیکھ کر عقل انسانی انگشت بدنداں رہ جاتی ہے اور بے اختیار منھ سے کلمۂ تحسین نکل جاتا ہے۔ایک ایک تاریخ سے سیکڑوں نہیں ہزاروں تاریخیں نکالی گئیں۔جو یا مراد آبادی نے نواب میر علی خان بہادر والیِ خیر پور سندھ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کے دس اشعار سے بارہ ہزار تاریخیں نکالیں۔(۱۵)

مختلف اصناف اور ہیئتوں میں تاریخ گوئی کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں مختلف صنعتوں میں تاریخیں کہی گئیں جن میں صنعت مرصع، صنعت منقوط، صنعت مقلوب، صنعت جمع، صنعت تفریق، صنعت تنصیف، صنعت حساب، صنعت بلیغ، صنعت عجیب، صنعت کمال، صنعت توشیح، صنعت زبروبینات، صنعت مربع، صنعت تحریک، صنعت مراتب، صنعت معکوس، صنعت مکتوبی، صنعت تسکین، صنعت واسع شفتین، صنعت سروری وغیرہ اہم صنعتیں ہیں۔(۱۶)

نئی نئی صنعتوں میں تاریخیں کہنے کے ساتھ ساتھ شعرا نے مروجہ اور غیر مروجہ سنین میں بھی تاریخیں کہیں۔ ان سنین میں ہجری، عیسوی، فصلی، سمبت، مہدوی، بنگلہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان سنین میں اکثر اوقات ہجری اور عیسوی سنہ میں تاریخیں کہی جاتیں۔بعض اوقات ایک ہی واقعہ کی تاریخ سنہ ہجری اور سنہ عیسوی میں کہی جاتی۔ دونوں سنین کے علاوہ بھی سنین میں تاریخیں کہی جاتی رہیں لیکن بہت کم۔انیسویں صدی عیسوی میں اکثر تاریخیں سنہ ہجری میں کہی گئیں۔ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کے باعث سنہ عیسوی رائج ہوا تو شعرا نے اس میں بھی تاریخیں کہی جاتی تھیں۔مہتاب الدولہ بہادر درخشاں نے 'بادشاہ نامہ' مصنفہ صدر محل کی جو تاریخ کہی ہے، اس میں ہجری، عیسوی، فصلی، سمبت، ولایتی، بنگلہ، سنین میں مادے نکالے ہیں۔(۱۷)

عہدِ غالب میں تاریخ گو حضرات اپنی جدت طرازی، ذہانت، مشاقی اور فکر و فراست سے نت نئے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

طریقوں سے تاریخیں کہہ کر اپنی قادرالکلامی اور مشاقیِ فن کے خوب صورت نمونے پیش کر رہے تھے۔ یہ نمونے شاعری کی حدود سے نکل کر نثر کی حدوں میں داخل ہو چکے تھے۔ ایسے ہی ایک مشاق تاریخ گو مولوی سیف الحق ادیب شاگردِ غالب کے متعلق لالہ سری رام لکھتے ہیں:

> تاریخ گوئی میں اپنا نظیر ہی نہ رکھتے تھے۔ بات بات میں مادۂ تاریخ نکالتے تھے۔ اکثر تاریخی فقرے بولتے تھے۔ ہزاروں قطعات، بیسیوں عرضیاں اور خطوط تاریخی، جن کے ہر دل آویزہ فقرہ سے سن و سال نکلتا تھا، لکھ ڈالیں۔ چناں چہ حضور نظام خلداللہ ملکہ کے ولی عہد کی پیدائش پر ان کے تاریخی نام اور قصیدے، قطعے اس کثرت اور عمدگی سے لکھے کہ دھوم مچ گئی۔ عجیب ترین قصہ ان کی برجستہ گوئی کا یہ ہے کہ ۱۳۰۲ھ میں ان کے بھائی مولوی انوارالحق میر منشی راجھستان نے اپنی بیٹی کی شادی کی۔ وقت وداع سامان جہیز کی فہرست لکھنے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ چناں چہ فہرست جو بڑی لمبی تھی مع عنوان بقید نام و جنس تمام و کمال تاریخی ہے۔ ہر شے کے ساتھ ایسے موزوں اور مناسب الفاظ ملائے کہ ہر جملہ تاریخ موجود ہے۔ (۱۸)

مندرجہ بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں تاریخ گوئی کے جملہ امکانات کو کس کس طرح برتا جارہا تھا۔ امرا، نوابین، دوست احباب کو لکھے جانے والے خطوط اور عرضیاں بھی بعض اوقات تاریخی ہوتیں۔ منشی انوارحسین تسلیم سہسوانی کو تاریخ گوئی میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ شاعری میں ہی تاریخیں نہیں نکالتے تھے بلکہ نثر میں بھی اپنی قادرالکلامی اور مشاقی کا ثبوت فراہم کر رہے تھے۔ 'اودھ اخبار' جاری ہوا تو تسلیم سے اس کی تاریخ کی فرمائش کی گئی۔ تاریخ بھیجنے میں کسی وجہ سے دیر ہوگئی تو ایڈیٹر کا شکوہ پہنچا۔ تسلیم نے نہ صرف تاریخ کہی بلکہ معذرت نامہ بھی لکھا، جس کا ہر جملہ تاریخی ہے۔ (۱۹)

غالب کا عہد اردو شعر و ادب کے عروج کا عہد ہے۔ اس عہد میں اردو نثر اور شاعری میں جملہ تخلیقی امکانات کو بھرپور طریقوں سے بروئے کار لایا گیا چناں چہ اردو شاعری کے ساتھ ساتھ اردو تاریخ گوئی بھی اپنے تمام امکانات کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ اس عہد میں جب کہ اردو تاریخ گوئی اپنی مقبولیت کی انتہائی حد کو چھو چکی تھی۔ تاریخ گوئی کو شاعری کا جزو لازم سمجھا جاتا تھا۔ ہر کہ و مہ شعر کہنے ساتھ ساتھ تاریخ گوئی میں بھی مشق کیا کرتا تھا۔ غالب نے اس فن کی طرف خصوصی توجہ نہیں کی۔ بلکہ بے دلی کے ساتھ تاریخیں کہیں۔ جن میں تین چار

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تاریخوں کو چھوڑ کر بقیہ تمام تاریخیں فارسی کی ہیں اور وہ فارسی تاریخیں بھی ایسی نہیں جن کی بنا پر غالب کو تاریخ گوئی کی روایت میں کوئی اہم مقام دیا جا سکے۔ خود غالب کے شاگردوں میں سیف الحق ادیب، منشی بال مکند بے صبر، قربان علی بیگ سالک، صفیر بلگرامی اور میر مہدی حسین مجروح اچھے تاریخ گو گزرے ہیں لیکن غالب اس فن میں اچھی مشق بہم کیوں نہ پہنچا سکے؟ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ کہ غالب کو وہ سازگار ماحول میسر نہ آسکا جس کے زیرِ اثر وہ تاریخیں کہتے۔ تاریخ گوئی تخلیقی عمل کے ساتھ ساتھ منشیانہ عمل بھی ہے۔ ایک معیاری تاریخ کہنے کے لیے تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ساتھ حروف اور اعداد سے بھی خاصی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک معیاری تاریخ کہنے کے لیے بعض اوقات کئی کئی دن بھی صرف ہو جاتے ہیں اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ کئی دنوں کی مشقت کے بعد بھی گوہرِ مراد ہاتھ نہ آتا۔ اس لیے غالب اسے وقت کا ضیاع سمجھتے ہوئے اس طرف بطور خاص متوجہ نہ ہوئے۔ مزید یہ کہ تاریخ کہنے کے لیے تخئیل سے زیادہ ذہنی مشق کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور یہ عمل انسان اس وقت بہتر انداز میں کر سکتا ہے جب اسے ذہنی سکون اور فراغت میسر آئے۔ غالب کو یہ ماحول بھی ذرا کم ہی میسر آیا۔ دوسری وجہ یہ کہ عددوں کو جوڑنے اور کمی بیشی کے پورا کرنے کے خشک اور منشیانہ عمل سے غالب کا مزاج لگا نہ کھاتا ہے اسی وجہ سے اس فن سے انھیں چڑ رہی۔ تیسری وجہ یہ کہ غالب کی دورس نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اس فن کا شجر زیادہ دیر برگ و بار لانے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ چناں چہ ایسے فن کی طرف توجہ کرنے کا فائدہ نہیں جو چراغِ سحری کی مثل بجھا چاہتا ہو۔ چوتھی اور میرے خیال میں ان تینوں سے زیادہ اہم وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ غالب کے ذہن نے کلکتہ کے سفر کے بعد جدت اور جدیدیت کی جس راہ پر سفر شروع کیا تھا اور سرسید احمد خان جیسے جدید مفکر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اپنی آنکھیں مستقبل پر مرکوز کرو، وہ جدت اور جدیدیت بھی غالب کو تاریخ گوئی کے فن سے فاصلے پر رکھتی ہوگی۔

عہد غالب کی اور روایات اور تہذیبی قرینوں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اردو کے محققین اور ناقدین نے تاریخ گوئی کے تہذیبی قرینے کی بازیافت کی طرف بہت کم توجہ دی ہے۔ اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے اردو تحقیق اور تنقید کو اب اپنی اس بے اعتنائی کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

حواشی

۱۔ دیکھیے: ابرار عبدالسلام، ''اردو میں تاریخ گوئی: انیسویں صدی میں شمالی ہند کی نمائندہ تاریخوں کی تحقیق و تدوین''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مخزونہ شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان، ۲۰۰۹ء، ص ۵۵

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۔ ایضاً، ''بیجاپور میں اردو تاریخ گوئی کی روایت'' مشمولہ ''جرنل آف ریسرچ'' شمارہ ۱۱، فیکلٹی آف لینگویجز اینڈ اسلامک سٹڈیز، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان، ۲۰۰۷ء، ص ۲۹۷۔۲۹۵

۳۔ ایضاً، ''اردو میں تاریخ گوئی: انیسویں صدی میں شمالی ہند کی نمائندہ تاریخوں کی تحقیق وتدوین''، ص ۱۱۲۔۱۰۶

۴۔ خواجہ محمد وزیر، ''دفترِ فصاحت''، (لکھنؤ: مطبع مصطفائی محمد خان، ۱۲۹۳ھ)، ص ۲۶۶۔۲۵۲

۵۔ ڈاکٹر فضل امام، ''امیر اللہ تسلیم: حیات اور شاعری''، (الٰہ آباد: اسرارِ کریمی پریس، ۱۹۷۴ء)، ص ۱۴۵

۶۔ غلام رسول مہر، ''غالب''، (لاہور: کوہِ نور پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۴ء)، ص ۴۰۳

۷۔ راجا محمد امیر حسن خان، ''کلیاتِ سحر''، (محمود آباد: باہتمام محمد مرزا، ۱۳۲۰ھ)، ص ۷۰۸۔۷۰۷

۸۔ غلام رسول مہر، ''غالب''، ص ۴۰۳

۹۔ محمد حسین آزاد، ''آبِ حیات''، مرتبہ ابرار عبدالسلام، (ملتان: شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ۲۰۰۶ء)، ص ۵۳

۱۰۔ ''خاتمہ مالک الدولہ صولت''، مشمولہ ''ادیب''، الٰہ آباد ۱۹۱۳ء۔۱۹۱۰ء، پہلی جلد، (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۸۰ء)، ص ۴۷۔۴۶

۱۱۔ ابرار عبدالسلام، ''اردو میں تاریخ گوئی: انیسویں صدی میں شمالی ہند کی نمائندہ تاریخوں کی تحقیق وتدوین''، ص ۱۱۷

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص ۳۲۱۔۳۱۶

۱۴۔ سیّد محسن علی محسن، ''تذکرہ سراپا سخن''، (لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۷۵ء)، ص ۶۰

۱۵۔ محمد علی جویا مراد آبادی، ''سرودِ غیبی مسمّی بہ خیابانِ تواریخ''، (لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۸۱ء)، ص ۱۰۱

۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابرار عبدالسلام، ''اردو میں تاریخ گوئی: انیسویں صدی میں شمالی ہند کی نمائندہ تاریخوں کی تحقیق وتدوین''، ابرار عبدالسلام، ص ۴۹۔۳۹

۱۷۔ نواب صدر محل، ''بادشاہ نامہ''، (کلکتہ: مطبع سلطانی، ۱۲۸۸ھ)، ص ۱۹۵۔۱۹۴

۱۸۔ لالہ سری رام، ''خم خانۂ جاوید''، جلد اوّل، (لاہور: ہمدرد پریس، ۱۹۰۸ء)، ص ۲۵۴

۱۹۔ منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی، ''ملخص تسلیم''، (مراد آباد: مطبع مطلع العلوم واخبار نیرِ اعظم، ۱۸۹۳ء)، ص ۱۹۸

مآخذ

۱۔ آزاد، محمد حسین، ''آبِ حیات''، مرتبہ ابرار عبدالسلام، (ملتان: شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ۲۰۰۶ء)، ص ۵۳

۲۔ امام، فضل، ڈاکٹر، ''امیر اللہ تسلیم: حیات اور شاعری''، (الٰہ آباد: اسرارِ کریمی پریس، ۱۹۷۴ء)، ص ۱۴۵

۳۔ خان، محمد امیر حسن، راجا، ''کلیاتِ سحر''، (محمود آباد: باہتمام محمد مرزا، ۱۳۲۰ھ)، ص ۷۰۸۔۷۰۷

۴۔ سری رام، لالہ، ''خم خانۂ جاوید''، جلد اوّل، (لاہور: ہمدرد پریس، ۱۹۰۸ء)، ص ۲۵۴

۵۔ سہسوانی، انوار حسین تسلیم، منشی، ''ملخص تسلیم''، (مراد آباد: مطبع مطلع العلوم واخبار نیرِ اعظم، ۱۸۹۳ء)، ص ۱۹۸

۶۔ عبدالسلام، ابرار، ''اردو میں تاریخ گوئی: انیسویں صدی میں شمالی ہند کی نمائندہ تاریخوں کی تحقیق وتدوین''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مخزونہ شعبۂ اردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان، ۲۰۰۹ء

۷۔ محل، صدر، نواب، ''بادشاہ نامہ''، (کلکتہ: مطبع سلطانی، ۱۲۸۸ھ)، ص ۱۹۵۔۱۹۴

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۸۔ محسن، محسن علی، سیّد، ''تذکرہ سراپا سخن''، (لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۷۵ء)، ص ۶۰
۹۔ مراد آبادی، محمد علی جویا، ''سرودِ غیبی مسمّٰی بہ خیابانِ تواریخ''، (لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۸۱ء)، ص ۱۰۱
۱۰۔ مہر، غلام رسول، ''غالب''، (لاہور: کوہِ نور پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۴ء)، ص ۴۰۳
۱۱۔ وزیر، محمد، خواجہ، ''دفترِ فصاحت''، (لکھنؤ: مطبع مصطفائی محمد خان، ۱۲۹۳ھ)، ص ۲۶۶۔۲۵۲

رسائل و جرائد

۱۔ ''ادیب''، الٰہ آباد ۱۹۱۳ء۔۱۹۱۰ء، پہلی جلد، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۸۰ء
۲۔ ''جرنل آف ریسرچ''، شمارہ ۱۱، فیکلٹی آف لینگویجز اینڈ اسلامک سٹڈیز، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان، ۲۰۰۷ء